OPEN ACCESS
Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia Research Journal (TUIRJ)
www.tadabburjournal.com
Peer Reviewed Journal
ISSN (print):
ISSN (online):

Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia (TUIRJ)
Volume:1, Issue:2, July 2020

وحدتِ امت میں اختلافِ رائے کا دائرہ کار

The scope of disagreement in the unity of the Ummah

Published: 01-07-2020
Accepted: 15-05-2020
Received: 12-4-2020

مفتی محمد عبداللہ فریدی
متخصص فی الفقہ جامعہ فریدیہ ساہیوال
پرنسپل وصدر مدرس محمدیہ اسلامی سنٹر گوشہ درود وسلام جلالپور پیر والا
Email: mafaridi756@gmail.com

Abstract:

The greatest need of the ummah is that it should not be divided into sects and groups which have remained in the form of ummah. And as long as this need of the Ummah has been met, the Ummah continued to prosper, there was stability and there was a terror on the nations of the world. But since the ummah is no longer the ummah but has become a combination of different groups, all these honors have been washed away. Scientific, research and intellectual differences have never degraded the Ummah but pushed it towards arrogance. But since the differences did not remain scientific, there was no research in the differences, there was no respect in the differences of thought and deliberation, then steps towards decline and decline began to take place. After reviewing all this, it is very clear what we have to do. Of course, we have to work for unity again. We have to learn to respect intellectual, scientific and research differences. And not only respecting the differences of others but also learning the manners and culture of disagreement must be learned first. Respect for differences will only come when the differences are in order. How do we disagree? How to challenge the differences of others? How to respond to a competitor's disagreement? The answers to these questions will be provided in this article. And if differences are resolved through consultation, then these differences will be a major cause of evolution. Therefore, it would be useful and important to practice the style of approaching consultation instead of sitting down and giving opinions from afar.

Key Words: Disagreement, Scope, Unity۔

تمہید

امت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ یہ امت کی شکل میں قائم رہے فرقوں اور گروہوں میں بٹنے سے دامن بچائے۔ اور جب تک امت کی یہ ضرورت پوری ہوتی رہی ہے تب تک امت کو فروغ ملتا رہا، استحکام تھا اور اقوامِ عالم پر ایک رعب تھا۔ لیکن جب سے امت امت نہیں رہی بلکہ مختلف گروہوں کا مجموعہ بننے لگی تو ان تمام اعزازات سے ہاتھ دھونے لگی ہے۔ علمی، تحقیقی اور فکری اختلاف نے امت کو کبھی نیچا نہیں کیا بلکہ سربلندی کی طرف ہی چلایا ہے۔ لیکن جب سے اختلاف علمی نہ رہے، اختلافات میں تحقیق نہ رہی، فکر و تدبر کے اختلاف میں احترام نہ رہا تو انحطاط اور زوال کی طرف قدم بڑھنے لگے۔ اس سب کچھ کا جائزہ لینے کے بعد خوب ظاہر ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ یقیناً ہمیں دوبارہ سے وحدت و اجتماعیت کے لیے کاوشیں کرنی ہوں گی۔ فکری و علمی اور تحقیقی اختلافات کا احترام سیکھنا ہو گا۔ اور صرف دوسرے کے اختلاف کا احترام ہی نہیں بلکہ اختلاف کرنے کا سلیقہ اور تہذیب کا درس اولاً لینا ہو گا۔ اختلافات میں احترام اسی صورت ہی آئے گا جب اختلافات باسلیقہ ہوں گے۔ ہمیں اختلاف کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے؟ دوسرے کے اختلاف کو چیلنج کیسے کرنا ہے؟ مدمقابل کے اختلاف کا رد کس سلیقے سے کرنا ہے؟ ان سوالات کے جواب اس مقالہ میں پیش خدمت ہوں گے۔ اور اگر اختلاف کو مشاورت سے حل کیا جائے تو یہی اختلاف ارتقاء کا بہت بڑا سبب بنے گا۔ اس لیے اختلاف میں دور سے بیٹھ کر رائے دینے کی بجائے قریب آکر مشاورت کرنے کے طرز کو رواج دینا مفید اور اہم ہو گا۔ ان سوالات کے جوابات کے لیے یہ مقالہ پیش خدمت ہو گا۔

وحدت سے مراد

وحدت سے مراد اختلافات کا مٹ جانا نہیں۔ اور وحدت کا مطلب یہ نہیں کہ ایک آنکھ سے دیکھا جائے، ایک کان سے سنا جائے اور ایک دماغ سے سوچا جائے۔ بلکہ وحدت یہ ہے کہ ایک مرکز کو دیکھا جائے، ایک کلام مقدس کو سنا جائے اور ایک نصب العین کو سوچا جائے۔ ایک ہی مقصد پر گامزن رہنا، ایک ہی جذبہ دلوں میں زندہ رکھنا اور باہمی محبت وشفقت کو سلامت رکھنا حقیقی وحدت ہے۔ ایک وجود سمجھنا لیکن اس حقیقت کو ماننے سے انکار نہ کرنا کہ کان اور آنکھ کبھی ایک طرح سے کام نہیں کرتے۔ ایک منزل کو ہی سب کا قبلہ تسلیم کر لینا کہ شش جہات سے کوئی بھی کہیں سے رخ کرے تو جانبِ قبلہ ہی جھکے۔ ظاہر کے ساتھ باطن اور عبادت کے ساتھ علم واستدلال میں بھی یہی تصویر پیش کرے:

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ۔[1]

ترجمہ: جس طرف بھی منہ پھیرو اللہ کی ذات کو پاؤ گے۔

یہ آیت جیسے ہر جگہ رب تعالیٰ کی موجودیت کا اعلان کر رہی ہے ویسے ہی یہ بھی فرمان جاری کر رہی ہے کہ اے مسلمانو! تم جہاں سے بھی آؤ، جس راہ پر بھی چلو اور جس جانب بھی نگاہ اٹھاؤ تمہیں صرف ذاتِ باری کے جلوہ کو پانے کی

خواہش اور اس کی رضا کی طلب ہونی چاہیے۔ اور جب تم میں سے ہر ایک اسی ذات کا طلبگار ہے تو کسی کو الزام مت دو۔ اگر تم مغرباً جھکے ہو اور تمہارا بھائی مشرقاً جھکا ہے۔ اپنی اپنی جہت سے ایک قبلہ کی طرف جھکے ہیں اور طلب دونوں کی ایک ہے تو کسی کو کسی پر الزام کا حق نہیں پہنچتا۔ جب تم سب ایک طلب پر جمع ہو جاؤ گے تو پھر تم یک جہت بھی ہو اور یک جا بھی ہو۔ اور یہی وحدت ہے۔

اختلاف رائے سے مراد

اختلاف رائے کا مطلب یہ ہے کہ مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جائیں۔ مختلف مثبت افکار کو فائدہ مند بنانے کے لیے راسخ بنایا جائے۔ مختلف راہوں پر چل کر ایک مرکز تک پہنچنے والوں کو آسانی دی جائے۔ مختلف مشکلات میں گھرے افراد کو نکلنے کے جدا جدا راستے دیے جائیں۔ کسی ایک کام کے لیے زیادہ راہیں کھول دینے میں امت کی بھلائی ہے نقصان نہیں جبکہ ان کی اصل موجود ہو اور ھوائے نفس پر مبنی نہ ہو۔ جیسے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وقتِ وصال جانشین کے بارے سوال کیے جانے کے جواب میں فرمایا کہ مجھ سے بہتر نے جانشین مقرر کیا اور مجھ سے بہتر نے جانشین مقرر نہیں کیا۔

لہٰذا جانشین مقرر نہیں کیا۔ لیکن چھے لوگوں کی کمیٹی بنا دی۔ دو راستے پہلے تھے اور تیسرا راستہ یہ کھلا۔ اور چوتھا راستہ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھولا کہ اگر کلیدی شخصیات اور مرکز کے لوگ بیعت کر لیں تو خلافت قائم ہو گئی۔ خلافت راشدہ کے اس تمام دورانیے میں اس حقیقت کو خوب اجاگر کیا گیا ہے کہ کسی معاملے کے لیے خیر کے اندر رہتے ہوئے ممکنات تک زیادہ راہیں کھول دینے میں بھلائی ہے۔ اس لیے کسی ایک طریقہ پر اصرار کرنا بالکل ہی مناسب نہیں اور نہ ہی وحدت امت کا مقتضیٰ یہ ہے۔ جتنے بھی کفارے مقرر فرمائے گئے کسی میں بھی ایک ہی طریقے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر جنایت کے کفارے کی دو دو، تین تین راہیں دی ہیں۔

اگر فقہاء کی آراء میں اختلافات پیدا نہ ہوتے تو کبھی فقہ کی تدوین نہ ہوتی، نہ اصول فقہ مدون ہوتے، اور نہ ہی زمانے اور حالات کے بدلنے اور نئے مسائل کے جنم لینے میں ان کی پرکھ کے قوانین اور ضابطے طے ہوتے۔ گویا جب اسی دور میں مختلف علاقوں اور مختلف ثقافتوں میں بندھے لوگوں کو ایک طریقہ پر پابند کر دیا گیا ہوتا تو آج اور قیامت تک کی تبدیلیوں میں مختلف اجتہاد کرنے کی اجازت کیسے ملتی؟ اور جب اجتہاد کی اجازت نہ ہوتی تو فقہ اسلام اور قانون اسلام مدون کیسے ہوتا؟ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کو بھی سات قراتوں پر پڑھنے کی اجازت مرحمت فرما دی تا کہ لوگ اپنی اپنی قراتوں پر بآسانی پڑھ سکیں۔

اختلاف کا ختم ہونا ممکن نہیں

اختلافات کو کم کیا جاسکتا ہے، مفید بنایا جاسکتا ہے، مثبت اختلافات کے ذریعے منفی اختلافات کو روندا جاسکتا ہے اور اختلافات کو شائستہ بنایا جاسکتا ہے لیکن ختم کبھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے کسی کے لیے بھی ایسی کوشش کرنا کہ اختلافات کی جڑ کاٹ دی جائے بار آور ثابت نہیں ہوسکتی۔ ایسی کوشش صرف وقت کا ضیاع اور مزید نفرتیں جنم دینے سوا کے اور کچھ نہیں کرسکتی۔ ضرورت اختلافات ختم کرنے کی نہیں بلکہ انہیں سنوارنے، شائستہ کرنے، تعمیری رخ دینے اور مفید بنانے کی ہے اور یہی امرِ الٰہی ہے۔ اگر اختلافات کو مٹایا جاسکتا ہوتا تو حضرت موسیٰ وہارون علیہ السلام کے درمیان بچھڑے والے معاملہ کی خبر کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر سوال نہ کرتے، خلافت کے معاملہ میں کوئی اختلاف جنم نہ لیتا، فقہی مذاہب اور علم العقائد کے علماء میں کوئی اختلافی بحث نہ ہوتی۔ جب اللہ رب العزت کا فرمان ایسا ہے تو اس کے مقابلے میں انسان کی کوشش کس فائدے کی ہوسکتی ہے؟

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ۔[2]

ترجمہ: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک امت ہی بنا دیتا، اور وہ ہمیشہ اختلاف میں ہیں۔

اور رب ذوالجلال نے ہدایت کے لیے ایک ہی راہ نہیں کھولی بلکہ اس کی بارگاہ تک پہنچنے کے لیے زیادہ ہیں۔ جن کا ذکر خود رب تعالیٰ نے فرمایا:

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ۔[3]

ترجمہ: جو کوئی اس کی رضا کے پیچھے چلے اللہ اسے سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت فرمادیتا ہے۔

یہ جس چیز کا اعلان کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ سلامتی کا دروازہ اور راستہ ایک ہی نہیں ہے۔ بلکہ کئی ہیں۔ اور ہر ایک کے لیے اللہ جو پسند فرماتا ہے اسے اس پر چلا دیتا ہے۔

اختلافِ مقبول

اگر اختلاف ختم ہو جائیں تو جمود اور تعطل طاری ہو جائے۔ ارتقاء کے لیے اختلاف لازمی ہے۔ لیکن اس کے لیے لازمی امر یہ ہوتا ہے کہ حدود کی پاسداری کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اختلاف پیدا نہ ہوتے تو زمین پر خدا کی کتابیں نازل نہ ہوتیں اور رسول مبعوث نہ ہوتے۔ دیکھیں رب العزت فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔[4]

ترجمہ: لوگ ایک ہی امت تھے، پھر لوگوں کے (درمیان) اختلافات (پیدا ہوئے تو ان) میں فیصلہ کرنے کے لیے نبیوں کو بشارت ونذارت کا فریضہ سونپ کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب کو مع حق کے نازل کیا۔

آیت واضح کرتی ہے کہ اختلافات نے جنم لیا تو زندگی کے لیے نئی راہیں کھلنا شروع ہوئیں، الٰہی پیغامات کی وصولی کا سلسلہ شروع ہوا، ربّانی شخصیات کو نگرانی کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ علم و فن میں ارتقاء آنے لگا۔ اگرچہ کفریہ اور طاغوتی اختلافات کا وجود سامنے آیا جو کہ مردود ہے لیکن اشیاء اپنی اضداد کے ساتھ مضبوط ہوتی ہیں، تو جیسے جیسے طاغوت کی اختلافی سرگرمیاں زور پکڑتی گئیں ویسے ویسے مثبت کارکردگی نے عظمت کے ساتھ خوبصورتی کے جوہر دکھائے۔ ہوتا یہ ہے کہ اختلاف آنے کے بعد اپنے سے کسی بڑے کی طرف سے راہنمائی مطلوب ہو جاتی ہے۔ تو فلاح کے لیے ایک بات اہم یہ ہے کہ راہنمائی مل جانے کے بعد اختلافی راہ چھوڑ دینی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو رہنمائی پہنچنے کے بعد سرِ تسلیم خم کر لے وہ محبوب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا اختلاف اسے اونچی پروان اڑاتا ہے۔ لیکن جو اکڑ جائے تو وہ مردود ہو جاتا ہے اور اس کا اختلاف اسے ذلیل کر دیتا ہے۔

وہ اختلاف رائے مقبول و محبوب ہے جو تعمیری کردار ادا کرے، جو فلاح و کامیابی کے لیے نئی راہیں کھولے، جس کے اندر نفرت، عناد، تفرقہ اور شر نہ ہو۔ بالآخر جو اختلاف اعلاءِ کلمۃ اللہ اور ابتغاءِ وجہ اللہ کے لیے ہو وہ مقبول ہے باقی مردود ہے۔

اختلافِ مردود

وہ اختلاف مردود ہے جس میں ہوائے نفس کا دخل ہو، یا نفرت و عناد کا باعث ہو اور جو تفرقہ و شر پھیلانے کے لئے ہو۔ جس اختلاف میں ذاتِ باری تعالیٰ کو نہ چاہا گیا ہو اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے نہ ہو وہ مقبول اور محبوب نہیں بن سکتا۔ جب اختلافِ رائے میں بنیادی محرّک نفس ہو تو خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کرتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ [5]

ترجمہ: اور ان میں سے بہت زیادہ اپنی خواہشات کے سبب بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں۔

جب کسی سے اختلاف کیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق سامنے لائی جائے، علم کی بنا پر اختلاف قائم کیا جائے، جب تک کامل طرح سے علم کا حصول نہ ہو راسخ تحقیق نہ ہو وہ اختلاف کبھی بھی نفع بخش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہالت اور لاعلمی میں کوئی بھلائی نہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہوائے نفس کے ساتھ لاعلمی کو بھی گمراہی کا سبب بتایا ہے۔ اور اسی طرح سے علم پہنچنے کے بعد اس سے کنارہ کشی کرنا اور جہالت پر ہی ڈٹے رہنا اس سے بھی زیادہ مذموم ہے۔ جیسا کہ ربِ ذوالجلال نے فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ۔ [6]

ترجمہ: اور اہلِ کتاب نے آپس میں بغاوت کرتے ہوئے علم پہنچنے کے بعد ہی اختلاف کیا۔

اختلافِ رائے کا دائرہ کار اور حدود

ہر انسان کی حد ہوتی ہے وہ اس سے بڑھ جائے تو فسادی ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ اپنی حدود اور دائرہ کار میں رہتا ہے مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔

پہلی حد۔ محدود و قلیل علم

کسی بھی انسان کے پاس علم کامل نہیں، خاص طور پر جن پر وحی کا نزول نہیں ان کے پاس جو موجود ہے وہ بھی ناقص اور ظنی ہے۔ اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہر شخص ہمیشہ مد نظر رکھے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔[7]

ترجمہ: اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ کم ہے۔

جس کے پاس اپنا علم ہی قلیل ہے وہ اپنے ہی اجتہاد اور رائے پر کیسے ڈٹ سکتا ہے؟ اور کیسے سب کو مجبور کر سکتا ہے کہ سب اسی کی پیروی کریں؟ لہٰذا کسی بھی صاحبِ علم کو اللہ کریم کے اس فرمان سے آنکھ بند نہیں کرنی چاہیے۔ جب ہم اپنے علم کی حد سے باہر بڑھنے لگتے ہیں تو شدت پیدا ہوتی ہے اور یہی چیز وحدت کو نقصان دیتی ہے۔

دوسری حد۔ غلطی کا امکان

کوئی بھی انسان کامل نہیں تو کسی کی تحقیق اور رائے کیسے کامل ہو سکتی ہے؟ تو پھر کوئی کیسے اپنے اوپر یقین کر سکتا ہے کہ وہ غلطی سے مبرا ہے؟ خلفائے راشدین میں سے جب جس نے بھی خلافت کی ذمہ داری کو سنبھالا تو ہر ایک نے یہی اعلان کیا کہ جب بھی مجھ میں غلطی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دینا اور غلطی میں تم پر میری اتباع اور اطاعت لازم نہیں۔ فقہاءِ اربعہ میں سے بھی ہر ایک نے بھی ہمیشہ یہی اعلان کیا کہ جب بھی میری رائے اور فتویٰ میں غلطی دیکھو تو اسے ترک کر دو۔ اور جہاں ہدایت ہو اسے قبول کر لو۔ ان سب کے دلائل یہاں پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اختصار کو بھی مد نظر رکھنا ہے اور کوئی اہلِ علم ان سے ناواقف بھی نہیں ہے۔

جب ہم یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جو تحقیق میں نے کر لی ہے یہ کافی ہے۔ اور اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ تب ہم انتہائی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں اور امن و امان کو خراب کر کے امت کی وحدت کو توڑنے کا سبب بنتے ہیں۔

تیسری حد۔ ابلاغ و تبیین

کس کی رائے درست ہے اور کس کی غلط؟ اس سوال کے جواب کو ڈھونڈنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ رائے دینے کا مطلب کھول کر بیان کر دینا ہے۔ جسے حقیقت جانے اسے سب تک پہنچا دے اور اپنے اوپر سے ابلاغ کی ذمہ داری کا بوجھ ہلکا کرے۔ اس سے بڑھ کر کسی کے پاس ایسی کوئی قوت نہیں کہ لوگوں کے خیالات کو بدل سکے یا نہیں کھینچ کر

کسی راہ پر ڈال سکے۔ اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے کو قبول کرنے پر کسی کو مجبور کرے۔ جیسا کہ قرآن مقدس نے مبلغین کا اصول بیان فرمایا ہے:

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔[8]

ترجمہ: اور ہمارے ذمہ تو صرف بلاغِ مبین (کھول کر حق پہنچا دینا) ہے۔

کسی کو بھی اس اصول سے نظر چرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو بھی اس اصول کو نظر انداز کر کے چلنا چاہے گا وہ نفرت، عناد اور شر ہی پھیلائے گا۔ اس سے کوئی بھی خیر متوقع نہیں ہو سکتی۔

چوتھی حد-جمعیت کے مقابل کھڑا نہ ہونا

کوئی شخص اجتہاد کرتا ہے اور کسی نتیجے پر پہنچتا ہے اور ایک موقف اختیار کرتا ہے جبکہ دیگر اہلِ علم حضرات مختلف موقف رکھتے ہوں تو اپنے اجتہاد کو بیان بھی کرے اور اس پر قائم بھی رہے لیکن اپنے اجتہاد کو جمعیت کے اجتہاد سے بڑا ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ، فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم۔[9]

ترجمہ: میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم سوادِ اعظم کو لازم پکڑو۔

جس طرف جمعیت ہو گی اس طرف شر اور ضلالت کے داخل ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ اور خصوصاً جب خود رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے کہ جب بھی تم میں اختلاف آئے تو سوادِ اعظم کو پکڑ لو۔ اور جمعیت کے ساتھ مل جاؤ کیونکہ جمعیت کے ساتھ گمراہی نہیں ہے۔ اس لیے کسی کا ذاتی اجتہاد کتنا ہی اسے اچھا لگے جب جمعیت کے دوسری طرف ہو تو اسے اپنا اجتہاد ترک کر دینا چاہیے۔ اگر ترک نہ کرے تو جمعیت کے مقابلے میں اپنے اجتہاد کو بڑا نہ سمجھے۔ اگر بڑا سمجھتا بھی ہو تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ عوام الناس میں اپنے ذاتی اجتہاد کو جمعیت پر بڑھاوا دینے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا افتراق اور انتشار کا باعث بنے گا۔ اختلاف کو انتشار کا سبب بنانے والے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو پھر شدت کے ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے موقف کو تسلیم کیا جائے اور ہماری بات کو مانا جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انتہائی زور لگاتے ہیں اور اکثر اوقات حدود کو کراس کر جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا یہ فرمان مدنظر رکھے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔[10]

ترجمہ: اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ کم ہے۔

جہاں جمعیت ہو گی وہاں بہت سے افراد کا تھوڑا تھوڑا علم جمع ہو کر کافی ہو جائے گا۔ لیکن جہاں ایک، دو یا چند ایک افراد ہوں گے جمعیت کے مقابلے ان کا علم کبھی بھی کافی نہیں ہو گا اور نہ ہی وہ راجح ہو سکتا ہے۔

پانچویں حد-اصولوں پر قائم رہے

اختلافِ رائے کی اجازت یقیناً دی گئی ہے اور کئی حالتوں میں مستحسن بھی ہے بلکہ مفید ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اہم ترین بات یہ ہے کہ اصول کے خلاف نہ جائے۔ اگر کسی کا اجتہاد اصولیات و قطعیات کے خلاف چلا گیا تو وہ مردود ٹھہرے گا۔ اور امت مسلمہ کی طرف سے جو اصول بیان کیے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ قرآن

2۔ سنت رسول ﷺ

3۔ اجماعِ امت

قرآن و سنت پر قائم رہنے کے بارے آیات و احادیث بکثرت موجود ہیں اور اجماع کے بارے بھی حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ طوالت کے خوف سے ان دلائل کو بیان نہیں کیا جا رہا۔

چھٹی حد-اختلاف کو اختلافی پہلو تک محدود رکھنا

کسی سے بھی ہر اعتبار سے کسی کو اختلاف نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کسی پہلو پر اختلاف ہوتا ہے تو دوسرے پہلو سے اتفاق بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے اندر یہ بھی خرابی موجود ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو مدمقابل سے کلیۃً نفرت شروع کر دیتے ہیں اور تعلق توڑ لیتے ہیں۔ جبکہ یہ طرز عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں نہیں سکھایا۔ رسول اللہ ﷺ کو قرآن مقدس نے حکم فرمایا:

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔[11]

ترجمہ: (اے رسول مکرم ﷺ!) فرمایئے: اے اہل کتاب ایک کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے، اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں بنائیں گے، اور نہ ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب بنا لیں گے۔

قرآن کا درس یہ ہے کہ جہاں نظریات میں اتفاق آ جائے وہاں عمل میں بھی اتفاق کرنا چاہیے۔

ساتویں حد-جب حقیقت آشکار ہو اسے تسلیم کرنا

اختلاف کا مقصد اگر بھلائی اور خیر خواہی ہو تو پھر یقینی طور پر لازم ہے کہ جب بھلائی اور خیر آشکار ہو جائے اسے فوراً تسلیم کر لیا جائے اگرچہ جانبِ مخالف میں ہی ہو۔ اللہ رب العزت نے ان لوگوں کو پسند نہیں فرمایا جو علم و آگہی کے بعد

بھی اختلاف میں پڑتے ہیں اور حقیقت کو تسلیم کرنے سے کتراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کے طور پر قرآن مقدس میں فرمایا:

واٰتینٰھم بینٰت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جآءھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ ثم جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لایعلمون۔[12]

ترجمہ: اور ہم نے انہیں اس امر (دین) کی روشن دلیلیں دیں تو انہوں نے علم آجانے کے بعد باہمی حسد اور سرکشی کی وجہ سے اختلاف کیا۔ بے شک تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس بات میں فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے آپ کو اس دین کے عمدہ راستہ پر رکھا تو تم اسی راستے پر چلو اور لاعلموں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو۔

اختلاف کو انتشار میں بدلنے والے اسباب سے پرہیز

بعض عوامل ایسے ہیں کہ جو اختلاف رائے کو انتشار تک لے جاتے ہیں اور پھر وہ اختلاف محبوب نہیں بلکہ مردود اور مضرّ بن جاتا ہے۔ لہٰذا لازمی امر ہے ایسی اسباب اور عوامل کا سدباب کیا جائے۔ اور وہ عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ھوائے نفس کی تکمیل
2۔ خود کو کامل صحیح تصور کرنا
3۔ اختلاف کرنے والوں کے خلاف فتویٰ بازی
4۔ عوام میں نفرت پھیلانا
5۔ مدمقابل موقف و دلائل کا مطالعہ کرنے سے گریز
6۔ حقیقت ظاہر ہو جانے کے باوجود اختلاف جاری رکھنا
7۔ بغیر علم اور کامل تحقیق کے اختلاف کرنا
8۔ غیر مناسب طرزِ عمل اختیار کرنا
9۔ کسی ایک پہلو میں اختلاف ہے تو بالجملہ نفرت پھیلانا
10۔ ذاتی خواہشات کو علم اور مذہب کا نام دے لینا
11۔ اپنے نظریے پر زبردستی عمل کرانے کی کوشش کرنا
12۔ اجتماعیت کا دامن چھوڑ دینا
13۔ گمان کو حقیقت بنا کر فتویٰ جاری کرنا

مثبت اختلاف کیا جائے، علم و استدلال کو بنیاد بنایا جائے، خواہشات نفسانی کو دخل دینے کی اجازت نہ دے، گمان پر موقف قائم نہ کرے، حقیقت کو جاننے سے پہلے رائے نہ دے، جہاں اختلاف ہے وہیں تک رکھے، ناحق زیادتی نہ کرے، اختلاف کے لیے مہذب طریقہ اور مناسب طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ اختلاف کیا جائے لیکن اس کے بعد لوگوں کو ناحق کسی کے متعلق نفرت دلانا جرم ہے۔ یا یہ کہ اپنا موقف لوگوں کو سمجھانا اور دوسرے مذاہب کو جاننے سے ہی دور رکھنا افتراق کا سبب بنتا ہے۔ چاہیے یہ کہ ہر ایک اپنے مطابق حق پر ثابت شدہ موقف پر قائم رہے اور لوگوں کا راستہ کھلا چھوڑ دے کہ وہ دیگر مذہب کے بارے بھی کچھ جاننا چاہیں تو جان سکیں۔ لیکن اس کے ساتھ قرآن و سنتِ رسول ﷺ کے احکام کے مطابق یہ بات راسخ کرادی جائے کہ کبھی ذاتی پسند یا ناپسند کے لیے کسی مذہب کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔ اور

نہ ہی مفادات کو دیکھ کر بلکہ اللہ کا خوف دل میں رکھ کر کہ جس موقف کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے قریب ترین پاؤ اس کو اختیار کر لو۔ چاہے اس میں مشقت ہی ہو اور دوسرے موقف میں آسانی ہو۔

اختلاف کو فتنہ بننے سے روکے

اولاً اختلاف کتنا ہی مفید اور مستحسن کیوں نہ ہو جب فتنہ بننے لگے تو فوراً اس کا قلع قمع کر دینا ضروری ٹھہر تا ہے۔ جیسے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اب عجمیوں کے داخلِ اسلام ہونے کی وجہ سے قراۃ سبعۃ کو جاری رکھنا اور ہر کسی کو اپنی اپنی قراۃ پر پڑھنے کی اجازت دینا آسان کام نہیں رہا، بلکہ فتنے کے دروازے کھلیں گے۔ تو آپ نے قرآن مقدس کو بھی ایک ہی قراۃ پر جمع فرمادیا۔ یہاں تک کہ باقی قراتوں کو جلا دیا۔ قراءات میں اختلاف کسی کے نظریات، استدلالات، تفہیمات اور اجتہادات کا اختلاف بھی نہیں تھا وہ تو خود اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ اختلاف تھا۔ مگر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے ختم کیا اور تمام صحابہ کرام نے ان کی تائید کی۔ چہ جائیکہ فروعات میں اپنے نظریات، استدلالات، تفہیمات اور اجتہادات پر مبنی اختلافات پر اتنا ڈٹ جانا کہ امت میں تفریق کی راہیں کھلنے لگیں۔ لہٰذا اختلاف جتنا بھی حسین اور مفید ہو جب فتنے کا سبب بننے لگے تو اس کو ترک کر دینا ہی ضروری ہے۔

اہلِ مکہ نے کعبہ کو حطیم کی جگہ چھوڑ کر عمارت مکمل کر کے اس پر چھت ڈال دی۔ اور حطیم کو باہر رہنے دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ حطیم کو بھی کعبہ کے اندر شامل کر دوں لیکن آپ نے ایسا نہ کیا۔ حالانکہ یہ کوئی اجتہادی اختلاف بھی نہیں تھا۔ قریش سے ایک کمی رہ گئی تھی اس کو پورا کرنا تھا مگر آپ نے صرف اس لیے ارادہ ترک فرما دیا کہ کہیں انتشار کا باعث نہ بنے۔ ایسے ہی کعبے کے دروازے کو نیچے زمین پر لانے اور دو دروازے بنانے کی خواہش بھی ظاہر فرمائی لیکن اسی سبب نہ فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

یا عائشۃ لولا قومکِ حدیثٌ عہدھم – قال ابن الزبیر: بکفر – لنقضت الکعبۃ فجعلت لھا بابین، بابٌ یدخل الناس، و باب یخرجون۔[13]

ترجمہ: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر تیری قوم کا زمانہ (ایمان) نیا نیا نہ ہوتا – عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا: کفر سے اسلام کی طرف کا زمانہ – تو میں کعبے کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے خارج ہوتے۔

نتیجہ یہ ہے کہ کسی رائے کو نافذ یا بیان کرنے کے لیے صرف اس کا درست ہونا کافی نہیں بلکہ دیگر عوامل کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔ لیکن یہ محقق پر ذمہ داری ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پھیل جائے تو صائب رائے تلاش کرنے کے لیے ضرور تحقیق کرے اور کامل تحقیق کے بعد جو حق سمجھے وہ کھول کر بیان کر دے۔

جب لوگ اختلاف کو سمجھنے سے قاصر ہوں

اوپر بیان کی گئی حدیث مبارکہ پر امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے:

"باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فہم بعض الناس عنہ فیقعوا اشد منہ۔"[14]

"کسی کا اس لیے بعض (کاموں، کہ جن پر) اختیار (ہو) ترک کر دینا کہ اس کے لیے لوگوں کا فہم ناقص ہو کہ وہ اس میں شدت اختیار کرنے لگیں گے۔"

گویا کہ اس حدیث مبارکہ سے امام بخاری کا استنباط یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کے لیے لوگوں کا فہم ناقص ہو تو اس کے لوگوں کے درمیان لے آنے سے فتنہ پروری اور شدت پسندی جنم لے گی۔ لہٰذا اسے درست ہونے کے باوجود بھی ترک کر دیا جائے گا جبکہ اس کے ترک سے دین کا نقصان نہ ہو رہا ہو۔

اگلا باب امام بخاری نے یہ باندھا:

باب من خص قوما دون قوم کراھیۃ ان لا یفقھوا۔ و قال علی: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔[15]

ترجمہ: باب اس بارے میں کہ بعض لوگوں کی ناسمجھی کے خوف سے انہیں چھوڑ کر دوسروں کو علم دینے کے لیے مخصوص کر لینا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں سے بات وہ کرو جسے وہ سمجھ سکیں کیا تم یہ چاہو گے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے؟

یعنی جب تم ایسی بات کہو گے جسے سمجھنے سے لوگ قاصر ہوں گے تو لوگ اللہ ورسول کی تکذیب شروع کر دیں گے۔ جیسا آج کے دور میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

ما من احد یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار۔

ترجمہ: جس نے بھی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی صدقِ دل سے شہادت دے دی اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا۔

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو بتا دوں کہ وہ خوش ہو جائیں گے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**اذن یتکلوا**" اگر انہیں بتاؤ گے تو وہ توکل کر کے بیٹھ جائیں گے۔[16]

ہر اختلاف کا فیصلہ ضروری نہیں

ہمارے ہاں جب اختلافات پیدا ہوتے ہیں تو ہم ان پر فیصلہ کن بحث کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ خود کو تو حق پر ہی سمجھ رہے ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مد مقابل کو جھوٹا ثابت کر کے ہی رہیں گے۔ اگرچہ مد مقابل ہی غلط ہو یہ بات بھلانی نہیں چاہیے کہ ہر اختلاف کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض اختلاف اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ کروانے کے لیے چھوڑ دینے

چاہیں۔ جیسے مرد عورت پر الزام لگائے اور گواہ نہ ہوں اور عورت انکار کرے تو ایسی صورت میں کسی کے جھوٹے یا سچے ہونے کا فیصلہ کیے بغیر حلف کے ساتھ معاملہ اللہ کی عدالت میں بھیج دیا جائے گا اور دنیا میں اس معاملے کو مٹا کر زندگی کو معمول پر جیا جائے گا۔ اسی طرح کسی بھی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ہر ایک اپنی سچائی اور اخلاص پر اللہ کو گواہ بنائے اور اسی کو حق سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔ [17]

ترجمہ: اور جس چیز میں تم اختلاف کر رہے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں ہے۔ وہ میرا رب ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ جانا ہے۔

کسی مسلک کے پیروکار کو فتویٰ اس کے امام کے موقف پر دیا جائے

ہمارے ہاں کسی دوسرے فقہی مذہب کا شخص آجائے اور ہم سے کوئی مسئلہ پوچھ لے تو ہم اسے اپنے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اسے اپنا بنالیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ردِ عمل اس سے مختلف تھا۔ یہاں تو ایک دین کے ماننے والوں کے درمیان اجتہادی اختلافات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہود و نصاریٰ کے مقدمے آتے لیکن آپ ﷺ ان کا فیصلہ اسلام کے اصولوں کے مطابق نہ کرتے بلکہ ان کی کتاب کے مطابق کیا جاتا۔ کیا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر ایک مسلک کے عالم کے پاس دوسرے مسلک کا شخص پہنچتا ہے تو وہ اسے اس کے مسلک کے مطابق رہنمائی کرے؟ ہاں اگر ضروریات دین کے ضائع ہونے کا امکان ہو تو اسے تنبیہ کر دے۔

یہ تمام اختلاف کی حدود اور دائرہ کار ہیں۔ اگر ہم ان میں محدود میں رہیں گے تو یقینی طور پر شدت، نفرت، انتہاء پسندی اور تفرقہ سے پاک رہیں گے۔ لیکن جب ہم ان حدود کو پامال کرنا شروع کر دیں گے تو ان برائیوں میں ملوث ہو جائیں گے۔ اللہ کریم ہمیں راہِ حق کی ہدایت نصیب فرمائے۔

خلاصۃ البحث

قرآن مقدس کے فلسفہِ حیات پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ زمین کا نظام، زمینی حیات، انسان اور انسان کی زندگی کبھی بھی اختلافات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ اختلافات زندگی کے دشمن بھی نہیں ہیں۔ بلکہ اختلافات ہی ارتقاء کا سبب بنتے ہیں۔ اختلاف پیدا نہ ہوتے تو جمود ہوتا ارتقاء نہ ہوتا۔ لیکن یہ بات ہر اختلاف کے لیے نہیں ہے کیونکہ بہت سے اختلافات مہلک اور تباہ کن ہوتے ہیں۔ وہ اختلاف کبھی بھی نفع مند نہیں ہوتے۔ تو یہی بات اہم ہے کہ ایسے اختلافات سے بچا جائے اور اگر ایسے اختلافات جنم لیں تو ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اور کسی بھی صورت اختلافات کو فتنے کی صورت اختیار کرنے نہ دی جائے۔ قرآن و سیرت رسول ﷺ میں اختلاف و اجتہاد اور رائے کے جو اصول اور حدود بیان ہوئے ان کا لحاظ کرنا سب سے اہم ہے۔ جو شخص اختلاف کرتے وقت، ذاتی اجتہاد میں اور کوئی بھی رائے دیتے

وقت اصولوں اور حدود کا پاس نہ کرے وہ فتنے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا آج کے دور میں علماء، محققین اور سکالرز کو ائمہ اربعہ کے اختلافات سے سیکھنا چاہیے اور ان کی طرز اختیار کرنی چاہیے۔ اور اپنے اختلافات کو تعمیری رخ دیں نہ کہ تخریبی۔ ایسی صورت میں وہ اختلاف مقبول اور محبوب بن جائے گا ورنہ مردود قرار پائے گا۔

سفارشات و تجاویز

1۔ قرآن کے فلسفہ حیات کو لازمی طور پر سمجھا اور سمجھایا جائے۔

2۔ قرآن کے نظریہ اختلاف کو سمجھا جائے اور اسی کی پیروی کی جائے۔

3۔ سیرت رسول ﷺ سے اختلاف کے آداب اور اصول سمجھے جائیں۔

4۔ قرآن و سنت کے فلسفہ حیات و آدابِ اختلاف کو طلبہ کے نصابِ تعلیم میں شامل کیا جانا چاہیے۔

5۔ مدارس اور یونیورسٹیز کے مابین اس پر زیادہ سے زیادہ مکالمے اور مباحثے کرائے جائیں۔

حوالہ جات

---

[1] - البقرة 115/02
[2] - هود 118/11
[3] - المائدة 16/05
[4] - البقرة 213/02
[5] - الانعام 119/06
[6] - آل عمران 19/03
[7] - بنی اسرائیل 85/17
[8] - یٰسین 17/36
[9] - محمد بن یزید ابن ماجہ، السنن ، ابواب الفتن ، باب السواد الاعظم ، ج:4 ، ص:367 ، رقم:3950 ، دارالکتب العلمیۃ لبنان
[10] - بنی اسرائیل 85/17
[11] - آل عمران 64/03
[12] - الجاثیۃ 17/45-18
[13] - محمد بن اسمٰعیل بخاری، الصحیح، المطبعۃ السلفیۃ القاہرۃ، 1400ھ، کتاب العلم، باب من ترک بعض الاختیار، ج:1، ص:62،رقم:126
[14] - ایضاً ، باب من ترک بعض الاختیار--- ، ج:1 ، ص:62
[15] - ایضاً ، باب من خص قوما دون قوم کراھیۃ--- ، ج:1 ، ص:62
[16] - بخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب العلم ، باب من خص قوما دون قوم کراھیۃ--- ، ج:1 ، ص:62 ، رقم : 128
[17] - الشوری 10/42

www.tadabburjournal.com